

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اشارات

حالیہ انتخابات میں جماعت اسلامی کی ناکامی کے اسباب اور اس کے موقف کے متعلق ترجمان القرآن کی گذشتہ دو اشاعتوں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے بعض ذہنوں میں عجیب و غریب غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں یہ غلط فہمیاں بعض حضرات کی زبان سے بھی سنی گئی ہیں اور بعض مخلصین کے خطوط سے بھی ان کا پتہ چلتا ہے۔ ہمارے لیے ان سب کے اقتباسات نقل کرنا مشکل ہے، مگر ان کا لب لباب قریب قریب یہی ہے کہ جماعت کے موقف اور اس کی مجبوریوں کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم جماعت میں قطعاً کوئی خامی نہیں پاتے اور اس کے اندر کسی اصلاح کی گنجائش نہیں دیکھتے اور اپنے طریق کار کو سو فیصد درست سمجھتے ہو۔ جماعت اسلامی کو جو ناکامی ہوئی ہے اس میں آخر کچھ دخل تو جماعت کی اپنی خامیوں کا بھی ہے۔

ہماری گذشتہ اشاعت سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا بھی اسی طرح کا ایک منطقی مغالطہ ہے جس طرح کہ ایک بے گناہ آدمی کو پولیس بے گناہی کی پاداش میں پکڑ کر عدالت میں پیش کر دے اور اگر وہ وہاں حاضر ہو کر اپنی صفائی میں کچھ کہے تو اس سے جج صاحب یہ فرمائیں کہ تمہیں جو یہاں حاضر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے کوئی نہ کوئی قصور تو ضرور کیا ہو گا۔ تمہارا پولیس کی حراست میں یہاں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تم بہر حال مجرم ہو۔ ہم نے جماعت کے موقف کے بارے میں جو کچھ عرض کیا تھا اور جسے ہم پھر علی وجہ البصیرت صحیح سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کا نصب العین وہی ہے جو اسلام کا ہے اور اس کا طریق کار بھی وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صلحاء اُمت نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اختیار کیا ہے یہی وہ طریق کار ہے جس سے اسلامی انقلاب

برپا کیا جاسکتا ہے۔ باقی رہیں جماعت کے رضاء اور اس کے نظم و ضبط کی خامیاں تو ہم ان کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم کسی زعم باطل میں گرفتار نہیں کہ جماعت بالکل مردانِ کامل پر مشتمل ہے، یا اس کا نظم و ضبط مثالی ہے، یا ہم سے اپنے کام میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے لیکن دراصل ان خامیوں کی نوعیت اُس کاروائی کی کوتاہیوں کی سی ہے جس کی منزل بالکل صحیح ہے جس کا راستہ بالکل درست ہے، البتہ اس کے چلنے اور چلانے والوں کو زیادہ بہتر اور اس کی رفتار کو زیادہ تیز ہونا چاہیے۔ ہمیں اس امر کا واضح شعور ہے اور اپنی منزلت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہم خدا سے دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس دینی تحریک کی بہتر طور سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔ ان صفحات میں ہم اپنے رضاء کار کی توجہ اسی طرف مبذول کر دینا چاہتے ہیں اور اپنے ناقدین کو بھی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اندر کس قسم کی تیدیلیوں کے آرزو مند ہیں تاکہ وہ ہمارے کام کی نوعیت اور اس کے مزاج کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

ہم اسے جماعت اسلامی کے ارکان، ہمدردوں، اس کے ہی خواہوں اور خود اس ملک پر خدا کا بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں کہ مادہ پرستی کے اس دور میں، جب انسانوں کو حرص و ہوس، علاتائی اور نسلی ولسانی تعصبات، اور دنیوی اغراض نے بالکل اندھا کر رکھا ہے، کچھ لوگ اپنی کوتاہیوں کے باوجود اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے میدان میں نکلے ہیں اور وہ اس مقدس فرض کی بجا آوری کے لیے وقت اور مال اور اپنی جسمانی اور مادی صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے بھائی بندان کی آنکھوں کے سامنے جاہلیت کے نعرے لگانے اور مادی مفادات سمیٹنے میں مصروف ہیں۔ جو لوگ ان حالات میں یہ کام کر رہے ہیں وہ اللہ کا جس قدر شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ انہوں نے ایک ایسا مقدس فرض اپنے ذمے لیا ہے جس کے لیے قادرِ مطلق نے انسانیت کے بہترین افراد کو منتخب فرمایا اور انہیں اس فرض کی انجام دہی پر مامور کیا۔ اس ایک حقیقت کے احساس ہی سے بارگاہِ الہی میں ہماری جبینیں نشتر سے جھک جاتی ہیں کہ کہاں ہم جیسے عاصی اور گنہگار بندے اور کہاں یہ عظیم اور مقدس کام!

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

یہ احساس اپنی جگہ صحیح اور درست، مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند قابل قدر مستثنیات کو چھوڑ کر ہم نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کے اس کام کی عظمت کا پوری طرح احساس نہیں کیا۔ ہم اسے زندگی کے اچھے کاموں میں سے محض ایک اچھا کام سمجھتے ہیں، متعدد اچھے مقاصد میں سے محض ایک اچھا مقصد خیال کرتے ہیں، مگر ابھی تک اس حقیقت کو دل و دماغ کی گہرائیوں میں پوری طرح راسخ نہیں کر سکے کہ یہ متعدد اچھے کاموں میں سے محض ایک کام یا اچھے مقاصد میں سے محض ایک مقصد نہیں بلکہ ایک مسلمان کی زندگی کی غایت الغایت ہے اور باقی سارے کام اسی ایک کام کے تابع ہیں تو قرآن مجید کا ارشاد ہے :

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
بِقَاتِرٍ تَمَسُّوهُا
وَنِعَارَةٌ تَتَخَشَّوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسْكَنٌ تَنُومُونَ فِيهَا
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ -

(التوبہ: ۲۴)

اے رسول! کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیزو اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے اکٹھے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے وہ مکانات جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

اس آیت سے دوسرے کاموں، دوسری دلچسپیوں اور دوسرے تعلقات اور ذمہ داریوں کی اس ایک کام اس ایک تعلق اور اس ایک بنیادی ذمہ داری سے نسبت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مسلمان جب تک اس فرض کو زندگی کا اہم ترین فرض سمجھ کر سرانجام نہیں دیتا اور اس کی ادائیگی کے لیے وہ دنیا کی قمیٹی سے قمیٹی متاع حتیٰ کہ اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتا، اس وقت تک وہ اس مقدس فرض کی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برک نہیں ہو سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا اولین اور بنیادی مقصد اس کام کو سرانجام دینا ہے باقی سب کام اسی کے تحت ہیں اور ان کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ اس ایک کام کی تکمیل میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ معاشرتی اور خاندانی روابط، معاشی جدوجہد، سیاسی سرگرمیاں، سیرت سازی

اور اخلاقی تربیت کے مختلف پروگرام سب اس ایک مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔

جو لوگ جماعت اسلامی سے کسی حیثیت سے وابستہ ہیں انہیں بلاشبہ دین سے محبت تو ہے کہ وہ اسے دنیا میں غالب کرنے کے آرزو مند دکھائی دیتے ہیں، مگر اس محبت اور آرزو نے ابھی بہت سے دلوں کے اندر جنون کی سی کیفیت اختیار نہیں کی۔ کفار مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جنون کا طعنہ دیا کرتے تھے اس میں ان کے خبث باطن کے علاوہ یہ مشاہدہ بھی شامل تھا کہ ایک شخص دنیا کی ساری دلچسپیوں سے بے نیاز ہو کر، سارے مفادات کو ٹھکرا کر اور ساری مخالفتوں اور مخالفتوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک ہی دھن میں لگا ہوا ہے، اور وہ ہے:

إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ طِيبًا لِلَّذِينَ آمَنُوا
الْآيَاتُ ط ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَوِيمُ۔ (یوسف: ۴۰)

بادشاہی خدا ہی کی ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ہے سیدھا سچا دین۔

کفار مکہ کے لیے اس مقدس دعوت کے ساتھ حضور سرور کائنات کا یہ وبالہائے عشق ایک ایسی بات تھی جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ ان کے تصور میں یہ بات کسی طرح نہ سمجھتی تھی کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنی کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ ایک آن دیکھے خدا کی خدائی تسلیم کر دینے کے لیے بقیاب ہے اور اس ایک کام میں اس کا انہماک اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ وہ اپنے جسم و جان کی ساری قوتیں اور ساری توانائیاں بے دریغ اس میں کھپا رہا ہے۔ اسے یہی ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے کہ کسی طرح نوع انسانی اپنے اصل خالق اور مالک کو پہچان کر اس کی بندگی کے تقاضوں کو پورا کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حالت کو قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُّقِرٌّ عَلَىٰ آثَارِهِمْ ط
إِن لَّمْ يُولُومُوا لِهُدَايَا الْحَدِيثِ آمَنًا ط

تو لے رسول! شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان بھگان کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس تعلیم پر ایمان نہ لائیں۔ (الکہف: ۶)

جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بلاشبہ دعوتِ اسلامی کو پھیلانے کے لیے مقدور بھرپور کوشش

کر رہے ہیں مگر یہ دعوت جس جوش اور ولولے، جس کیسوئی اور انہماک، جس ایشار اور دلسوزی کی متقاضی ہے وہ ابھی تک ان میں پیدا نہیں ہو سکی۔ وہ اس دعوت کے لیے فکر مند تو ضرور نظر آتے ہیں اور اس کی کامیابی کی صورت میں ان کی طبیعتوں میں انبساط اور ناکامی کی صورت میں افسردگی کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں، مگر اس حقیقت کا اقرار بھی ضروری ہے کہ وہ اس ایک کام کی فکر کو دوسرے افکار پر ابھی پوری طرح غالب نہیں کر سکے۔ وہ اسے زندگی کے دیگر اچھے اور نیک کاموں کی طرح محض نیکی کا کام سمجھ کر رہے ہیں مگر اسے زندگی کا واحد مقصود نہیں بنا سکے۔ اُن میں دیوانگی کی وہ کیفیت نظر نہیں آتی جو اس دعوت کے دیوانوں میں فی الحقیقت ہونی چاہیے اور جس کے نمونے احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ہیں بکثرت ملتے ہیں۔

یہ دیوانگی یونہی سنسنی خوشی پیدا نہیں ہو جاتی۔ یہ دعوت حق کے ساتھ والہانہ وابستگی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس تناسب سے انسان کے اندر اس مقدس نصب العین سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے اس میں دیوانگی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کے حصول کے لیے فراموشی اور محنتوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھتا ہے۔ ایک انسان اس مقصد کے لیے کسی حد تک دیوانہ ہے اس کے لیے کوئی لگا بندھا پیمانہ نہیں۔ انسان کا اس سے جس قدر تعلق گہرا ہوتا ہے اسی نسبت سے اُس کی جدوجہد اور تگ و تاز میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں اس کیفیت کو ایک حکایت میں یوں بیان کیا ہے کہ کچھ مرد اور عورتیں باہر کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ پاس ہی ان کے بچے کھیل رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک عقاب ایک ننھے سے بچے پر چھٹپٹا اور اُسے اٹھا کر لے گیا۔ عقاب کو پکڑنے اور بچے کو اس سے آزاد کروانے کے لیے سب مرد اور عورتیں اس کے پیچھے بھاگنے لگے جن لوگوں کا تعلق دُور کا تھا وہ چند قدم بھاگ کر واپس آگئے۔ خاندان کے افراد نے اس کا نسبتاً دُور تک چھپا کیا جو اس بچے سے جس قدر قریبی تعلق رکھتا تھا اُس نے اسی قدر اس عقاب کا زیادہ تعاقب کیا حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر بیٹھ گیا۔ اس بچے سے تعلق رکھنے والے سب تھک ہار کر بیٹھ گئے مگر اس کی ماں جو دیکھنے میں بڑی نحیف

تھی وہ بالآخر اس چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے اپنے بچے کو اس سے آزاد کر وا کر ہی دم لیا مولانا
 رومیؒ کی اس حکایت سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی بساط یا اپنا مقدر سمجھتے ہیں یہ بالکل
 اضعافی چیزیں ہیں۔ کسی شخص کا کسی نصب العین سے جس قدر تعلق کم ہوگا اسی نسبت سے اس کی تک و دو میں بھی
 کمی ہوگی اور اس میں وہ اپنی بساط کو کبھی کم سمجھے گا، مگر جو تعلق بڑھتا چلا جائے گا اسی تناسب سے اس
 کے اندر نصب العین کو حاصل کرنے کی آرزو شدید تر ہوگی، اس کی جدوجہد میں غیر معمولی جوش و غزم اور شہر
 پیدا ہوگا اور اس کی ”بساط“ کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جائے گا جس کام کو ہم آج اپنے امکان سے باہر اور
 اپنی بساط سے زیادہ سمجھتے ہیں اُس کام سے اگر ہمارا تعلق خاطر بڑھ جائے تو ہمارے امکان کی سرحدیں بھی
 پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں اور بساط کے دائروں میں بھی وسعت آ جاتی ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر
 کوئی غریب آدمی اپنے بیٹے کی بیماری کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی امیر آدمی کے سامنے دست سوال دراز کرنا
 ہے تو وہ اس کی طرف بہت کم متوجہ ہوتا ہے، یا اگر ہوتا بھی ہے تو تھوڑی بہت رقم دے کر اُسے ٹال
 دیتا ہے۔ مگر جب خود اس کا اپنا بیٹا علیل ہوتا ہے تو وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لیے
 تیار ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کو جس قدر زیادہ خطرہ لاحق ہو اسی قدر وہ اُس کی صحت کے لیے کوشش
 ہوتا ہے اور اسے شفا یاب دیکھنے کے لیے مال و دولت تو کیا جان تک نثار کرنے کے لیے اپنے آپ کو
 آمادہ پاتا ہے۔ اس شخص کا رویہ دو بچوں کے معاملے میں مختلف کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک
 کے ساتھ اس کا تعلق نہیں یا اگر ہے تو بہت کم ہے مگر دوسرا اس کا تختِ جگر ہے۔

یہ بات ہم بڑے دکھ کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کا دین جو کبھی مسلمانوں کے نزدیک اُن کی سب سے
 قیمتی متاع ہوا کرتا تھا اور جس کے مقابلے میں وہ دنیا کی ہر چیز کو بیچ خیال کرتے تھے اور اس کی سر ملندی
 کے لیے جان کی بازی لگا دینے کے بعد وہ دل کی گہرائیوں سے یہ اعتراف کرتے تھے کہ ع
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آج محض ان کی پسند کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ تاہم مطلق نے تو ہمیں اس بیش قیمت متاع سے اس لیے نرا زاننا

کہ ہم اسے فلاح و کامرانی کا واحد ذریعہ سمجھ کر اسے زندگی کے سارے شعبوں میں اپنائیں، اس کی تعلیمات پر عمل کر کے دنیا میں کامران اور آخرت میں فائز المرام ہوں اور اسے پوری انسانیت کا دین بنانے کے لیے پوری قوت سے جدوجہد کریں تاکہ جس منہاج سے ہم مستفید ہو رہے ہیں ساری نوع بشری اس سے مستفید ہواؤں۔ دنیا جو اس وقت ظلم و ستم سے معمور ہے وہ جنتِ ارضی کا نمونہ بن جائے۔ لیکن ہم بدقسمتی سے اس دین کے سرگرم داعی اور اس کے مخلص خادم بننے کے بجائے محض اسے پسند کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم نے خدا کے دین پر یہ احسان کیا ہے کہ مختلف نظریات، مختلف ادیان یا مختلف طرزہائے زندگی میں سے اس کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ کا دین ہماری پسند کا محتاج نہیں اور نہ محض ہمارے لیے پسند کرنے سے اس کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اس کی تبلیغ و اشاعت کا اسے دنیا میں غالب کرنے کی بھرپور کوشش، اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی سچی خواہش اور پھر اس کے لیے مخلصانہ جدوجہد اس دین کے بارے میں ہمارے بنیادی فرائض ہیں۔ دین اللہ کا ہے۔ وہی اس کا محافظ اور ناصر ہے۔ ہماری پسند یا ناپسند سے اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت برتنے ہیں تو یہ دنیا اور آخرت میں ہماری نامرادی اور رسوائی ہے۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم اسے پسند کریں ہم تو اس دین کے خادم ہیں اور اس کی خدمت اور چاکری ہی کو باری تعالیٰ نے ہمارے لیے وجہ افتخار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں ہماری ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے اس ذاتِ برحق نے ہمیں اس عظیم احسان سے بھی مطلع کیا ہے جو اس نے ہمیں اس مقدس کام کے لیے منتخب کر کے ہم پر فرمایا:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ

اس نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور دین کے معاملے

مِنْ حَرَجٍ لِمَلَّةٍ اَبْنَيْكُمْ اَبْرَاهِيْمَ ط هُوَ

میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ پیروی کرو اس دین

سَمَّكُمْ الْمُسْلِمِينَ هُوَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا

کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اس

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا

نے پہلے بھی تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اس

شَهِدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۗ - (الحج - ۷۸)

قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے لیے دینِ حق کی

شہادت دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے ساتھ

دینِ حق کی شہادت دو۔

کارِ رسالت کے لیے اُمت کا انتخاب کرتے ہوئے قرآن نے اجتباء و رُچن لینے، منتخب کر لینے کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ اجتبا یا اسطفا کا لفظ عام طور پر قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اُمت کے لیے اس لفظ کے استعمال کے معنی یہ ہیں کہ یہ اُمت اسی کام کے لیے چُن لی گئی ہے جس کیلئے پہلے پیغمبر پر گزیدہ کیے جاتے تھے۔ اور جس طرح پیغمبر کا کام اپنی عملی زندگی میں دعوتِ حق کا نمونہ پیش کرنا ہے اور اپنے قول و فعل سے نوحِ انسانی کے سامنے اس بات کی شہادت فراہم کرنا ہے کہ اس دین کی سرملندی ہی اُس کی زندگی کا واحد مطلوب و مقصود ہے اسی طرح اب اس اُمت کو دنیا کے سامنے حق کا گواہ بن کر رہنا چاہیے اور اسی حیثیت سے جدوجہد کرنی چاہیے۔ قرآن مجید جس چیز کو شہادت کہتا ہے وہ عدالت کی وہ چھوٹی سی گواہی نہیں جو ایک گواہ کسی جج کے سامنے پیش کرتا ہے۔ قرآن کا لفظ شہادت بڑا معنی خیز ہے اور اپنے اندر بہت سے مطالب اور معانی سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے اس کی عملی زندگی اس کی ناقابلِ تردید شہادت فراہم کرے۔ ظاہر بات ہے کہ کسی شخص کے قول اور فعل کے درمیان پوری ہم آہنگی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب اس کا دل خلوص سے معمور ہو اور اس شہادت کا آخری درجہ یہ ہے کہ وقت آنے پر وہ جان کی بازی لگا کر یہ ثابت کر دے کہ اُسے اللہ کے دین سے دنیا کی کوئی دوسری چیز تھی کہ اپنی جان بھی عزیز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں دینِ حق کے گواہوں کی دن بدن کمی ہوتی چلی جا رہی ہے اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ سامنے آرہے ہیں جو دینِ حق کو محض پسند کرنے والے ہیں، اور ان کی عملی زندگیاں اس بات کی بھی شہادت نہیں دیتیں کہ انہیں اللہ کا دین کسی اعتبار سے بھی پسند ہے۔ انہیں دیکھنے سے یوں احساس ہوتا ہے کہ بعض مصالح اور مجبوریوں کے تحت یہ حضرات دین کو پسند کرنے کے لیے آمادہ ہوئے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ معاذ اللہ سب لوگ اسی قسم کے ہیں مگر اس تلخ حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے لوگوں کی تعداد اگر غیر معمولی زیادہ نہیں تو ناقابلِ اتفات حد تک کم بھی نہیں۔ نہ صرف اس ملک میں بلکہ

پوری دنیا میں اسلام اور کفر کے درمیان جنگ جاری ہے، کفر ہر طرح سے بیس ہو کر اسلام پر یلغار کر رہا ہے، مگر اسلام کے مورچے یا تو خالی ہیں یا ان پر ایسے غیر منظم اور غیر مستح افراد کھڑے ہیں جنہیں باہمی رنجشوں اور عداوتوں نے ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے اور جن کی دین سے وہ کبھی بھی صرف اسی حد تک ہے کہ انہیں کفر کے مقابلے میں اسلام نسبتاً پسند ہے۔ پسندیدگی کے جذبات و رجحانات رکھنے کے علاوہ وہ عملی طور پر اس کے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

جن حضرات کو گذشتہ انتخابات میں عملاً کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام کے حامیوں میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو امت کے لیے اس فیصلہ کن مرحلہ پر دوٹو دینے کی زحمت گوارا کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ پہلے تو انہیں اس زحمت کو اٹھانے کے لیے بڑی مشکل سے آمادہ کیا گیا اور اگر وہ آمادہ بھی ہوئے تو بڑی مصیبتوں کے ساتھ انہیں پونگ اسٹیشنوں پر لانا پڑا تب کہیں جا کر انہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اسلام کے ساتھ یہ نیم دلانہ وابستگی آخر کس طرح وہ انقلابی نتائج پیدا کر سکتی ہے جس کی توقع کی جاتی ہے۔ کوئی تحریک محض مقدس آرزوؤں اور نیک ننانوں سے تو آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کے لیے صبر و ثبات کے ساتھ محنت، خلوص کے ساتھ مالی ایثار اور عزم و ہمت اور حکمت و دانائی کے ساتھ بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اور ان سب چیزوں کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ایک انسان اس تحریک سے کس درجہ کا تعلق خاطر رکھتا ہے۔ اسے ناپنا بھی کوئی مشکل نہیں انسان اس کی سریندی کے لیے جس حد تک ایثار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے وہی اس کی اس سے وابستگی کا صحیح معیار ہے۔ اور جس قدر اس کے ایثار میں کمی ہوتی ہے اتنی تناسب سے اس کا اس سے تعلق کمزور ہوتا ہے۔

ہمارے رفق و کار خواہ وہ ارکان ہوں یا مہمرو یا جماعت اسلامی کے دوسرے ہی خواہ سب کا فرض ہے کہ وہ دین کے ساتھ اپنے تعلق خاطر کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور اسے محض پسند کرنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اسے زندگی کا واحد مطلوب ٹھہرا کر عملی زندگی میں اپنانے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ اگر

آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی فی الحقیقت وہی کام کر رہی ہے جس کا اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے تو پھر اس تحریک کا آپ کو دل و جان سے ساتھ دینا چاہیے۔ یہ کوئی دنیوی تحریک نہیں جس میں شامل ہونے یا جس سے الگ رہنے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کوئی نمایاں اثرات مترتب نہ ہوتے ہوں۔ اس تحریک کے ساتھ شامل ہو کر دین کی خدمت کرنا فرضیہ اقامتِ دین ادا کرنا ہے۔ یہ وہ فرضیہ نہیں جس کی بجائے آوری کا دار و مدار آپ کی پسند پر ہے کہ آپ کو یہ جس حد تک اور جس حیثیت سے بھی پسند ہو اسے سرانجام دیں اور جس مقام اور جس حیثیت سے اسے چھوڑنا چاہیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ یہ آپ کی پسند کا معاملہ نہیں بلکہ ایک بنیادی فرض ہے جو مسلمان کی حیثیت سے آپ پر عائد ہوتا ہے اور اس میں آپ جس قدر کوتاہی کریں گے اسی قدر خدا کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے اور دنیا و آخرت میں نلراہد ہوں گے۔ جو لوگ کسی حیثیت سے بھی ان انتخابات میں جماعت کے قریب آئے ہیں ان میں سے مردانِ کامل فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں ہمیں سب سے پہلے انہیں یہ بات ذہن نشین کرانی چاہیے کہ دینی فرضیہ محض ووٹ دینے سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ ووٹ ڈالنا تو دینی محاذ پر متعدد کاموں اور ذمہ داریوں میں سے محض ایک کام اور ذمہ داری تھی جسے انہوں نے انجام دیا ہے۔ دین کا تقاضا اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ تو ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَ

کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت،

مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ

میرا جینا اور میرا مرنے کا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اس کا

بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

کوئی شریک نہیں۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے

(الانعام - ۱۶۲ - ۱۶۳)

اور میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں

یہ ہے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں دین کا مطالبہ۔ یعنی آدمی کا مل کیسوتی کے ساتھ اپنی پوری زندگی

اللہ کی بندگی میں صرف کرے۔ اس کی عبادت اسی ذات بے تمنا کے لیے مخصوص ہو۔ اس کے مذہبی فرائض

اسی کی رضا کے مطابق ادا کیے جائیں۔ الغرض حیاتِ مستعار کے جتنے لمحات بھی وہ بسر کرے وہ سارے اس کی

خدمت اور چاکری کے لیے وقف ہوں۔ اور موت بھی اسی مقدس فرض کی ادائیگی میں آئے۔

اللہ کے دین کے ساتھ عوام کے تعلق کو بڑے سیلے سے اور بڑے بڑے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ نا سنجی کی بنا پر خدا سے بغاوت و انحراف کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں غیر معمولی تحمل و بردباری اور بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت الی اللہ دینی چاہیے کیونکہ اس کائنات میں اس سے بہتر کوئی دوسری دعوت نہیں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور اس شخص سے زیادہ بھلی بات کہنے والا اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک کام کرے

رُحْمَ السَّجْدَةِ ۳۲) اور بر ملا کہیے کہ میرا تعلق ان لوگوں سے ہے جو خدا کے سلم اور فرمانبردار ہیں۔

پھر جو لوگ اس دعوت کو صحیح تو مانتے ہوں مگر اس سے گہری دہشتگی نہ رکھتے ہوں ان کے دلوں میں اس دعوت کی عظمت، اس کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے بارے میں ان کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ اس کے علمبردار بن کر اُسے آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کریں۔

جماعت کے رفقاء کے لیے دوسرا اہم کام جو ہمارے نزدیک پہلے کام سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعلق بڑھانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلص مردانِ کار کی بڑھتی ہوئی تعداد، مادی وسائل کی فراہمی، تحریکِ اسلامی کے لیے تقویت کا باعث بن سکتی ہے مگر ان مادی اسباب کی حیثیت بالکل ثانوی ہے۔ جماعت کی قوت کا اصل سرچشمہ اس کے کارکنوں کا اپنے رب سے تعلق خاطر ہے۔ یہ تعلق جس قدر گہرا اور مضبوط ہوگا اسی نسبت سے جماعت کو اللہ تعالیٰ کامیابی سے بہکنا کرے گا۔ اس لیے جماعت کے سارے ہی خواہوں کو اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ یہی جماعت کا حقیقی سرمایہ ہے۔ اگر اس سرمائے میں کمی آجائے تو مادی اسباب کی فراوانی ہمارے لیے سود مند ہونے کے بجائے سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

هُوَ مَوْلَانَا جَدَّ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ۝

وہی ہمارا کارساز اور آقا ہے اور بس اللہ ہی پر ایمان لانے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

المؤمنون - (التوبہ - ۵۰)

دینی رسالہ

(لغیۃ اشارات)

دوسرے مقام پر اللہ سے تعلق بڑھانے کا طریقہ بھی قرآن مجید نے بتایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
 وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج - ۷۷)

اے وہ لوگو جنہوں نے دعوتِ حق کو قبول کیا ہے اب تمہارے
 فرائض اور تمہارے کرنے کے خاص کام یہ ہیں کہ اپنے پروردگار
 (یعنی) رکوع و سجود کرو اور دہر طرح سے اپنے رب کی عبادت بندگی
 کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح یاب اور بامراد ہو جاؤ اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کرو اور اس طرح جان نثار دو جیسا کہ
 اس کی راہ میں کوشش اور جان بازی کا حق ہے۔

جس چیز کو لوگ اسلامی انقلاب کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ حقیقت نام ہے اس مخلصانہ سعی و جہد کا جو اجتماعی زندگی
 میں بندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب تک ایک فرد دل کی گہرائیوں میں عبودیت کے
 گہرے اساسات و جذبات نہیں پالتا وہ اپنی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کو اللہ کے ایک مخلص بندے کی حیثیت سے کس طرح
 سر انجام دے سکتا ہے؟ جس طرح ٹیپول کے بغیر گاڑی اپنے تمام آلات اور کل پوزے رکھنے کے باوجود ایک پانچ نہیں چل سکتی۔ بالکل
 اسی طرح اللہ سے تعلق استوار کیے بغیر تحریک اسلامی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ گذشتہ تنگامی حالات میں لوگوں کے ساتھ مل کر
 کام کرنے سے اور خصوصاً انہیں جو انوکھے اندر کام کرتے وقت اس امر کا شدید احساس ہوا ہے کہ ہمارا بہت ساری اپنی اخلاص اور
 جماعت کی محبت کے باوجود اس کام کی امتیازی حیثیت کو ابھی تک پوری طرح سمجھ نہیں پاتے۔ وہ اسے ایک اچھی اور ملک ملت کے لیے
 مفید سیاسی تحریک سمجھ کر اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ جماعت کی ہدایت کو بدلنے کے لیے بعض ذہنوں میں جو ایک خواہش
 پیدا ہوئی ہے وہ بھی اسی چیز کی آئینہ دار ہے۔ ہمارا رفاہ کار کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے نئے ساتھیوں کو جماعت کے مزاج، اور اس کے
 اصل کام سے آگاہ کریں اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرانیں کہ جماعت کا پروردگار اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اپنے خود خالق کے بند
 بن کر دنیا میں زندہ رہو اور پھر دوسرے انسانوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کے لیے آمادہ کرو۔ تحریک کے کام
 کا مرکز و محور صرف خدا اور اس کی رضا کے حصول کی کوشش اور اس کے پیچھے ہونے سے غیر صادق و مصدوق کا دل و جان سے
 اتباع ہے۔